تفسیر ابن کثیر

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ



از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البـ
الشیخ المحدث شعیب ارنؤو
الشیخ عبد الرزاق مهد
الشیخ مصطفی السید محمد
الشیخ محمد فضل عجماو
الشیخ حسن عباس قطب
الشیخ محمد السید رشا
الشیخ علی احمد الباق
الشیخ زبیر علی ز
الشیخ مبشر احمد ربانی

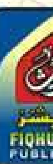
6 5 4 3 2 1



ف
د الدین
د مشقی رحمہ اللہ

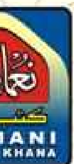
ترجمہ
مولانا محمد
جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام
تخریج وتحقیق
حافظ عمران
ایوب لاہوری حفظہ اللہ



ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
0300-4206199

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ
042-7321865, 0334-4229127



اِبتدائیہ

قرآن کریم تغیر وتبدل سے محفوظ، ٹھوس حقائق پر مبنی، گزشتہ وآئندہ حالات کی مخبر اور الفاظ ومعانی میں جادوئی اثر رکھنے والی اللہ رب العزت کی سب سے عظیم کتاب ہے۔ اس کی رفعتِ شان کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ یہ خالقِ ارض وسماء کا کلام ہے۔ اُس نے اسے سب سے افضل فرشتے ''جبریل امین علیہ السلام'' کے ذریعے سب سے افضل زبان ''عربی'' میں سب سے افضل پیغمبر ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' پر کم وبیش 23 سال کے عرصے میں نازل فرمایا۔

چونکہ نزولِ قرآن کا مقصد اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تھا اس لیے اس کے نزول سے لے کر آج تک اس کی تعلیم وتفہیم کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے کچھ اہل علم نے درس وتدریس کی خدمات انجام دیں اور کچھ نے تالیف وتصنیف کی۔ تالیفی خدمات انجام دینے والی نمایاں ہستیوں میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ، امام سیوطی رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ اور امام قرطبی رحمہ اللہ وغیرہ کے پہلو بہ پہلو ایک عظیم ہستی حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی ہیں جنھوں نے عربی میں ایک نہایت ہی عمدہ تفسیر 'تفسیر القرآن العظیم' مرتب فرمائی جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے۔

موصوف نے تفسیر قرآن کا بہترین اسلوب اختیار فرمایا اور قرآن کریم، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ وتابعین اور ائمہ سلف کے اقوال کو پیش نظر رکھا۔ اعداد وشمار کے مطابق اس تفسیر میں احادیث کی تعداد صحیح بخاری کی احادیث سے بھی زیادہ ہے، ائمہ سلف کے اقوال بھی ہزاروں میں ہیں، اکثر وبیشتر مقامات پر مؤلف رحمہ اللہ نے احادیث کی تصحیح وتضعیف کا بھی اہتمام فرمایا ہے۔ مزید برآں قاری کو اس میں فقہا کی آراء، قراءات کا اختلاف اور صرفی ونحوی ابحاث بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایسی خصوصیات ہیں جو تفسیر ابن کثیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کی انھی نمایاں خصوصیات کی بنا پر اسے اہل علم میں بہت پذیرائی ملی حتی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام ذہبی، امام سیوطی اور امام شوکانی رحمہم اللہ وغیرہ جیسے ائمہ عظام و جبالِ علم نے اسے احسن التفاسیر قرار دیا، اس کے اختصارات کیے گئے، اس کی تخریج وتحقیق کی گئی، اس پر مقدمات تحریر کیے گئے، اس میں موجود اسلوبِ تفسیر پر کتابیں تالیف کی گئیں، کچھ عرصہ قبل افادۂ عام کی غرض سے مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ نے اسے اردو قالب میں ڈھالا اور آج بحمد اللہ راقم الحروف کو بھی خدمتِ قرآن کے جذبہ سے اس تسلسل کا حصہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس تفسیر کی اہمیت وافادیت میں مزید اضافے اور اسے عوام وخواص، علماء واساتذہ، طلبا وطالبات وغیرہ کی ضرورت کی تکمیل کا بہترین ذریعہ بنانے کے لیے بزرگ علما واساتذہ اور کہنہ مشق محققین کی زیر سرپرستی راقم نے جو کوشش کی ہے اس کے چند نکات درج ذیل ہیں:

- ترجمہ میں بعض قدیم الفاظ کی جدید الفاظ میں تبدیلی۔
- تفسیر میں موجود قرآنی آیات کے مکمل حوالہ جات کا اہتمام۔
- صحاح ستہ اور دیگر اہم کتب حدیث (جیسے مسند احمد، دارمی، مؤطا، ابن خزیمہ، ابن حبان، مستدرک حاکم، طبرانی کبیر و اوسط و صغیر، مسند حمیدی، مسند عبد بن حمید،

ابو یعلی ، دارقطنی ، شرح السنہ ، شرح معانی الآثار ، مشکل الآثار ، مسند ابو عوانہ ، مسند طیالسی، مسند بزار، مسند شافعی اور موارد الظمآن وغیرہ) سے احادیث کی تخریج۔

- علاوہ ازیں تخریج کے سلسلہ میں شیخ البانیؒ کی مختلف کتب جیسے صحیح وضعیف ابوداود ، صحیح وضعیف نسائی ، صحیح وضعیف ترمذی ، صحیح وضعیف ابن ماجہ ، صحیح وضعیف الجامع الصغیر، السلسلة الصحیحة والضعیفة ، صحیح وضعیف الترغیب والترھیب ، ارواء الغلیل ، احکام الجنائز، آداب الزفاف ، تمام المنة اور صحیح السیرۃ النبویة وغیرہ سے استفادہ۔
- اکثر وبیشتر احادیث پر قدیم کبار محققین (جیسے ابن حجرؒ ،نوویؒ ،شوکانیؒ ،حاکمؒ ،ذہبیؒ وغیرہ) کی تحقیقات سے استفادہ۔
- اردو زبان میں پہلی مرتبہ عصر حاضر کی تقریباً تمام عربی واُردو تحقیقات سے استفادہ کر کے تشنگانِ علم کے لیے علمی وتحقیقی مواد کی جمع وترتیب۔ اس سلسلے میں بطورِ خاص علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ ، شیخ شعیب ارناؤوط ، شیخ مصطفی السید ، شیخ رشاد ، شیخ عجماوی ، شیخ علی احمد ، شیخ حسن عباس ، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ وغیرہ کی تحقیقی کاوشوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔
- اس تحقیقی کام کے علاوہ جو فنی کام ادارہ فقہ الحدیث پبلیکیشنز نے انجام دیا ہے اس میں عمدہ کمپوزنگ، اعلیٰ کتابتِ قرآن ،بہترین سرورق اور دو رنگہ طباعت کے جدید اسلوب کا اہتمام قابل ذکر ہے۔

اس کوشش کے بعد بلاشبہ یہ جدید محقق ایڈیشن ابن کثیر کے دیگر تمام نسخے خریدنے سے کافی حد تک مستغنی کر دیتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین اسے اپنے علمی وتحقیقی ذوق شوق کی تسکین کا بہترین ذریعہ پائیں گے۔

آخر میں مَیں بارگاہِ الٰہی میں انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اظہارِ تشکر پیش کرنے کے بعد اپنے تمام اساتذہ کرام کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی پر خلوص تعلیم وتربیت ہی میرے لیے ہر کامیابی کا زینہ ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں محترم ضیاء الحق نعمانی بھائی کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اپنے مفید مشوروں اور قیمتی تجاویز کے دروازے ہمیشہ میرے لیے کھلے رکھے۔ محترم بھائی عرفان ایوب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کمپیوٹر کے کام میں ہر طرح سے میری معاونت کی۔ نیز میں ان تمام احباب ورفقا کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس عظیم خدمتِ قرآن کے سلسلے میں کسی بھی طریقے سے میرا تعاون کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے اور راقم الحروف کو مزید علمی تحقیقات پیش کرنے کی توفیق سے نوازے۔ (آمین یارب العالمین!)

حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

تاریخ: 15مارچ2009ء

فون: 0300-4206199

ای میل: editor@fiqhulhadith.com

ویب سائٹ: www.fiqhulhadith.com

مختصر حالاتِ زندگی
امام ابوالفداء، عمادالدین حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

نام ونسب: امام ابوالفداء حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع البصروی الدمشقی رحمہ اللہ۔

مقام وتاریخ پیدائش: آپؒ شام کے مشہور شہر بصریٰ کے اطراف میں واقع مِجدَل بستی میں 701ھ (بمطابق 1302ء) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپؒ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا۔آپ کے والد ایک مسجد میں خطیب تھے۔وہ آپ کے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔تب آپ کے بھائی عبدالوہاب (ایک جید عالم دین وفقیہ) نے آپ کی تربیت اور پرورش کا بیڑا اٹھایا۔کچھ عرصہ بعد آپ اپنے بھائی کے ہمراہ دمشق چلے گئے اور پھر وہیں مقیم ہوکر تعلیم وتعلم اور بعد ازاں درس وتدریس کے کام میں مصروف رہے اور ساتھ ہی ساتھ تالیف وتصنیف کا کام بھی انجام دیتے رہے۔

اساتذہ: آپؒ کے ابتدائی اساتذہ میں آپ کے بڑے بھائی بھی شامل ہیں،آپ نے ان سے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ پھر وقت کے جید علماء سے کسب فیض کیا۔آپ کے چند اہم اساتذہ یہ ہیں:

ابن الفرکاح — ابن عساکر — عیسیٰ بن مطعم — محمد بن زراد
عفیف الدین آمدی — امام ذہبی — امام مزی — امام ابن تیمیہ

تلامذہ: آپؒ ساری زندگی درس وتدریس کے کام میں مصروف رہے،جس بنا پر آپ کے شاگردوں کی تعداد یقیناً بہت زیادہ ہے،مگر مؤرخین نے آپ کے زیادہ تلامذہ کا ذکر نہیں کیا،چند ایک کے اسماء یہ ہیں:

ابن سند لخمی — ابن یونانیہ بعلی — بدر الدین زرکشی — ابن الجزری
ابن الحریری — سعد النواوی — علی ردماوی — مسعود انطاکی

تالیفات: آپؒ نے مختلف علوم وفنون میں 34 کے قریب کتب تالیف فرمائیں،چند اہم یہ ہیں:

تفسیر ابن کثیر — البداية والنهاية — اختصار علوم الحديث — طبقات الشافعيه
الاجتهاد في طلب الجهاد — رسالة في فضائل القرآن — اختصار السيرة النبوية — مناقب الشافعي

وفات: آپؒ دمشق میں 26 شعبان 774ھ میں بروز جمعرات تقریباً 74 برس کی عمر پا کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کو اپنے عظیم شیخ ومعلم امام ابن تیمیہؒ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

[جزاه الله خيرا وأحسن الجزاء]

مقدمہ ابن کثیر

حمد وثناء کا اکیلا مستحق مالک: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے سزاوار ہیں جس نے اپنی کتاب کو اپنی حمد کے ساتھ شروع کیا اور فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اور فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ (الکھف / ۱) الخ یعنی سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں، جس نے اپنے بندے پر یہ قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی جو ہمیشہ دین کو قائم رکھنے والا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے اللہ کا پیغمبر لوگوں کو ڈرائے۔ اور جو لوگ ایمان لا کر اچھے عمل کرتے ہیں انہیں ان کے بہترین اور لازوال انعامات کی خوشخبریاں سنائے۔ اور جو لوگ اپنے بے علم باپ دادا کی سنی سنائی باتوں کی بنا پر اللہ کی اولاد مانتے ہیں انہیں بھی ڈرائے۔ کیونکہ یہ بہت بڑی دلیری اور محض جھوٹ بات ہے جو ان کی زبان سے نکل رہی ہے۔ اے نبی ﷺ! تم ان کے لیے اپنی جان کو روگ نہ لگاؤ۔

جس طرح اس پروردگار نے اپنی کتاب کو اپنی حمد سے شروع کیا اسی طرح اس نے اپنی مخلوق کے ذکر کو بھی اپنی حمد سے ہی شروع کیا۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ (الانعام / ۱) یعنی سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آسمان وزمین کو اور اندھیرے واجالے کو پیدا کیا لیکن کفار اس کے باوجود بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مخلوق کے خاتمہ کا ذکر بھی اپنی حمد وثناء پر ہی کیا۔ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الزمر / ۷۵) یعنی تو دیکھے گا کہ فرشتے عرش الٰہی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد وثناء تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہوں گے۔ فیصلے حق کے ساتھ ہو چکے ہوں گے اور کہہ دیا گیا ہوگا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القصص / ۷۰) یعنی وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سب تعریفیں اول وآخر اسی کے لیے ہیں۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹا کر لائے جاؤ گے اور ارشاد ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ (السبا / ۱) یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی آسمان وزمین کی کل چیزیں ہیں، آخرت میں بھی حمد اسی کے لیے ہے۔ وہی حکمتوں والا سب خبریں رکھنے والا ہے۔ لہٰذا اول، آخر اسی کی تعریف ہے یعنی جو کچھ اس نے پیدا کیا اور جو کچھ پیدا کرے گا وہی ان سب کی تعریفوں کا مستحق ہے جیسے کہ نمازی ﴿سَمِعَ اللّٰهُ﴾ الخ کے بعد کہتا

اے اللہ! ہمارے رب تیرے ہی لیے سب تعریفیں ہیں آسمان وزمین بھر جانے کے برابر اور ان کے بعد بھی جس چیز کو تو بھر دینا چاہے۔ اسی لیے جنتی لوگ بھی حمد وثناء کا الہام کیے جائیں گے اور ان کے سانس کے ساتھ ہی بلا تکلف اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اس کی تسبیح ادا ہوتی رہے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں اور اسکی قدرت کاملہ اس کی زبردست سلطنت' اس کی مسلسل رحمتیں اور اس کے دائمی احسان ان کے پیش نظر ہوں گے۔ اسی کو قرآن پاک نے بیان فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ○ دَعْوَاهُمْ فِيْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (یونس/۹'۱۰) یعنی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والوں کو ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے ان نعمتوں والی جنتوں کی راہ دکھائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں ان کی آواز ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ﴾ گونجتی ہوگی اور آپس میں سلام کا تحفہ ہوگا۔ اور گویا سب کی پکار یہی ہوگی کہ سب تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔

کامل حجت نبی کریم ﷺ: ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء/۱۶۵) یعنی اللہ ہی کے لیے تعریف ہے۔ جس نے اپنے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے آ جانے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے۔ ان رسولوں کا سلسلہ نبی امی عربی مکی مدنی ﷺ پر ختم کیا جو سب سے زیادہ واضح راہ کی راہنمائی کرنے والے ہیں۔

آپ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک جتنے جنات اور انسان ہیں ان سب کی طرف آپ کی رسالت ہے۔ جیسے کہ قرآن میں ہے: ﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الاعراف/۱۵۸) الخ اے نبی ﷺ! کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ جو آسمان وزمین دونوں کا مالک ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! تم سب ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے اس رسول ﷺ پر جو نبی ہیں' امی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کی تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لوگو! انہیں کی پیروی میں تمہاری ہدایت مضمر ہے ارشاد ربانی ہے: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ﴾ (الانعام/۱۹) تاکہ میں تمہیں بھی ڈراؤں اور انہیں بھی جنہیں یہ اللہ کا کلام پہنچے۔ یعنی عربی' عجمی' کالے' گورے' جس انسان کو بھی یہ قرآن پہنچے۔ آنحضرت ﷺ اس کے لیے ڈرانے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (هود/۱۷) یعنی اس کے ساتھ کفر کرنے والا جہنمی ہے۔ پس جو کوئی قرآن کے ساتھ کفر کرے وہ بحکم قرآن جہنمی ہے۔ ایک جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾

معلوم بھی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میری پیغمبری آفاقی ہے۔ ہر سرخ وسیاہ کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا گیا ہوں۔ (۱) مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی کل جن وانس کی طرف۔ (۲) پس آنحضرت ﷺ تمام انسانوں اور جنات کی طرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ سب کو اللہ الکریم کی وحی اور عزت والے قرآن کو آپ پہنچانے والے ہیں جس پاک کتاب کے پاس کسی طرف سے باطل پھٹک ہی نہیں سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہے۔

قرآن میں غور وفکر کی نصیحت: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاک کلام کو سمجھنے کی تاکید بھی اسی میں کر دی ہے فرمایا کہ تم قرآن پاک میں تدبر اور غور وفکر کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے (۳) اور دوسری جگہ فرمایا اس مبارک کتاب کو ہم نے تیری طرف اتارا تا کہ لوگ اس میں غور وحوض کریں اور عقلمند لوگ نصیحت پکڑیں (۴) اور جگہ فرمایا یہ لوگ قرآن سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟ (۵)

غلط تفسیر کرنے والوں کا انجام: علماء پر واجب ہے کہ کلام اللہ کا مطلب واضح کر دیں اور اس کی صحیح تفسیر کریں اور اسے باقاعدہ اپنا محور علم بنائیں اسے سیکھیں اور سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات) نہ چھپائیں لیکن ان لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے۔ ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے (۶) اور جگہ فرمایا: "جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے تھوڑے مول کے بدلے بیچتے پھریں۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے" (۷) پس جو لوگ ہم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے تھے اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا۔ پروردگار نے ان کی مذمت کی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایسا نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے۔ بلکہ انہیں چاہیے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں دل وجان سے لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھنے، سکھانے، سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں۔

---

(۱) [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب المساجد و مواضع الصلوۃ (۵۲۱) مسند احمد (۱۴۸/۵) مجمع الزوائد (۲٦١/٨)]

(۲) [مسند احمد (۱۴۵/۵)] مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۳) [سورۃ النسآء: آیت ۸۲] (۴) [سورۃ ص: آیت ۲۹]

(۵) [سورۃ محمد: آیت ۲۴] (۶) [سورۃ ال عمران: آیت ۱۸۷]

(۷) [سورۃ ال عمران: آیت ۷۷]

اور جو ان کی طرف حق اترا ہے اس سے کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی۔ لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر لوگ نافرمان ہو گئے جان لو کہ مردہ زمین کو جلانا اللہ ہی کا کام ہے۔ہم نے تمہاری سمجھ بوجھ کے لیے اپنی آیتیں بیان کر دیں' (۱) ان دونوں آیتوں کے ترجمہ میں غور کرو۔ کس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کے باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں۔اللہ بزرگ و برتر اور جواد و سخی سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے۔آمین۔

تفسیر کا صحیح طریقہ: سنو! تفسیر کا بہترین اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہو۔اس لیے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اس کی تفصیل بھی ہے۔اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے اس لیے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے ہیں۔" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کر سکو۔خبردار! تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بننا (۲) ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے "ہم نے تو تم پر اسی لیے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کر دیا کرو۔یہ کتاب ایمان داروں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔" (۳) ایک اور مقام پر فرماتا ہے: "ہم نے اس ذکر کو تمہاری طرف اس لیے نازل کیا کہ تم اسے لوگوں کو حرف بحرف پہنچا دو تاکہ وہ اس پر غور و فکر کر سکیں۔" (۴)

حدیثِ نبوی کی فضیلت: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے (۵) اس سے مراد سنت ہے۔یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی اترا اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی وحی الٰہی ہے مگر قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اولاً خود قرآن مجید سے پھر حدیث سے کرنی چاہیے۔رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم (فیصلہ) کس طرح کرو گے؟ جواب دیا۔"کتاب اللہ سے" فرمایا "اگر اس میں نہ پاؤ تو؟" کہا "سنت رسول اللہ سے" کہا "اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو" تو کہا "اب اجتہاد کروں گا۔" حضور ﷺ نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

---

(۱) [سورۃ الحدید: آیت ۱۶-۱۷] (۲) [سورۃ النسآء: آیت ۱۰۵]

(۳) [سورۃ النحل: آیت ٦٤] (۴) [سورۃ النحل: آیت ٤٤]

(۵) [صحیح: ابو داؤد: کتاب السنۃ: باب فی لزوم السنۃ (٤٦٠٤) مسند احمد (١٣٢/٤) حاکم (١٠٩/١) ۔ اس روایت کو امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے صحیح کہا ہے۔شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی ﷺ کو پسند ہے۔[1]

یہ حدیث مسند میں بھی ہے اور سنن میں بھی اور اس کی سند بھی بہت عمدہ ہے یعنی اپنی جگہ اس کا ثبوت بھی موجود ہے۔

قرآن سمجھنے کا بہترین اسلوب اور شانِ صحابہ: اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن وحدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لیے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہوسکتا ہے۔ وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے۔ علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا۔ بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے۔ بلاشبہ چاروں خلفاء جو راشد اور ہدایت یافتہ تھے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ علیٰ ہذا القیاس۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔''[2] آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہ پڑھتا۔'' حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس آیتوں کا علم وعمل حضور ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہ بڑھتے۔''

غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی سیکھا۔ انہی میں سے ایک حبر البحر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور ترجمان القرآن ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا: ﴿اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ﴾[3] اللہ انہیں دین کی سمجھ عطا فرما

---

① [**ضعیف**: ابو داؤد: کتاب الاقضیۃ: باب اجتھاد الرای فی القضاء (۳۵۹۲) ترمذی: کتاب الاحکام: باب ما جآء فی القاضی کیف یقضی (۱۳۲۷، ۱۳۲۸) دارمی (۱۷۰) طبقات ابن سعد (۳۴۸) بیہقی (۱۰/۱۱۴) الاحکام لابن حزم (۶/۳۵-۳۶) مسند احمد (۵/۲۳۰، ۲۴۲) شیخ البانیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام جوزقانیؒ نے اس روایت کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور اسے باطل کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں حارث بن عمرو راوی ہے اس کی حدیث صحیح نہیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت نبی ﷺ سے منصوص نہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

② [**صحیح**: الطبری (۱/۸۰) بخاری: کتاب فضائل القرآن باب القراء من اصحاب رسول اللّٰہ (۵۰۰۲) مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل عبداللّٰہ بن مسعود وامہ (۲۴۶۳) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو متناً صحیح کہا ہے۔]

③ [**صحیح**: مسند احمد (۱/۲۲۶-۳۱۴) ابن حبان (۷۰۵۵)] یہ روایت صحیح بخاری (۱۴۳) میں ان لفظوں ﴿**اللھم فقھہ فی الدین**﴾ کے ساتھ، صحیح مسلم (۲۴۷۷) میں ان لفظوں ﴿**اللھم فقھہ**﴾ کے ساتھ، ترمذی (۳۸۲۴) میں ان لفظوں ﴿**اللھم علمہ الحکمۃ**﴾ کے ساتھ اور ابن ماجہ (۱۶۶) میں ان لفظوں ﴿**اللھم علمہ الحکمۃ وتاویل القرآن**﴾ کے ساتھ موجود ہے۔]

اور قرآن کی [illegible] کا کام [illegible] کرے۔ حضرت عبداللہ بن [illegible] خود فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کے بہترین ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں"۔ [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو پیش نظر رکھ کر خیال کیجیے کہ ان کا انتقال سن ۳۲ھ میں ہوا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کے بعد بھی چھتیس سال تک زندہ رہے تو اس مدت میں آپ نے علم میں کس قدر ترقی کی ہوگی۔ حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما امیر حج مقرر ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں سورۂ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور اس عمدگی سے تفسیر کی کہ اگر ترک و دیلم کے کفار بھی سن لیتے تو یقیناً مسلمان ہو جاتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں سورۂ نور کی تفسیر بیان فرمائی تھی [2] یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمن سدی کبیر اپنی تفسیر میں انہی دونوں بزرگوں سے اکثر تفسیر نقل کیا کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل کتاب سے یہ بزرگ جو روایت لیا کرتے ہیں اسے بھی بیان کر دیتے ہیں۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت: بنی اسرائیل سے روایت لینا مباح ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔" بنی اسرائیل سے بھی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔ [3] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی پائی تھیں' ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لیے لائی جاتی ہیں۔ خود ان سے مسائل ثابت نہیں کیے جا سکتے۔

روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں ایک تو وہ کہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے۔ یعنی قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق اسرائیل کی کتاب میں بھی کوئی روایت مل جائے۔ اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔ دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو یعنی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو۔ اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تیسرے وہ کہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب۔ اس لیے کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی ایسی روایت ہے، جس کی تصدیق سے ہم اسے صحیح کہہ سکیں نہ کوئی ایسی روایت جو اس کے مخالف ہو اور اس بنا پر ہم اسے جھوٹ یا غلط کہہ سکیں۔ لہٰذا یہ تیسری قسم کی روایتیں وہ ہیں جن سے ہم خاموش ہیں نہ انہیں غلط کہیں نہ صحیح سمجھیں۔ البتہ انہیں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور یہ روایتیں ہیں بھی ایسی جن سے ہمارے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ علاوہ ازیں ایسی باتوں کی وجہ سے خود اہل کتاب میں بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں۔

اور انہیں کی وجہ سے ان روایتوں کو لینے والے مفسرین میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں مثلاً اصحاب کہف کے نام' ان کے کتے کا رنگ' ان کی گنتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ حضرت

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۰)]   [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۸۱)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب أحادیث الانبیاء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۳۴۶۱) ترمذی: کتاب العلم: باب ما جاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل (۲۶۶۹) مسند احمد (۲/۲۰۲)]

تھے؟ اور جس مقتول کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لگایا تھا اور اس سے اللہ نے اسے زندہ کر دیا تھا۔ وہ ٹکڑا کون سا تھا اور کس جگہ کا تھا؟ وہ کون سا درخت تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں اللہ کا کلام سنا تھا؟ وغیرہ وغیرہ پس یہ وہ چیزیں ہیں جن پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمیں ان کا جاننا نہ جاننا کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا نہ اس کی تہہ میں ہمیں کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی۔

مخصوص اختلافات کو بیان کرنے کا جواز: البتہ ایسے اختلاف کو نقل کرنا جائز ہے جیسے کہ خود قرآن پاک نے اصحاب کہف کی گنتی کا اختلاف نقل فرمایا ہے: ﴿سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ (الکہف/ ۲۲) الخ یعنی یہ لوگ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے اور ان کا کتا چوتھا تھا اور کہیں گے پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں وہ یہ بھی کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہہ دو کہ ان کی گنتی میرا رب ہی بخوبی جانتا ہے تم ان سے اس بارے میں صرف سرسری گفتگو کرو۔ اور اس بارے میں ان سے نہ پوچھو۔ اس آیت نے بتا دیا کہ ہمیں ایسے مقام میں کیا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں تین قول بیان فرمائے ہیں۔ دو کو تو ضعیف قرار دیا۔ اور تیسرے پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اگر یہ بھی باطل ہوتا تو ان دونوں کی طرح اسے بھی ردّ کر دیا جاتا پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کی تعداد کا علم جب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا پھر تم اس کی چھان بین میں کیوں لگو؟ کیوں نہ کہہ دو کہ ان کی گنتی کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ان کی صحیح تعداد پر مطلع فرمایا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا کہ وہ اٹکل پچو باتیں بنا رہے ہیں پھر ان کے پیچھے پڑنے اور ان سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت؟

اسی طرح ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اختلاف کو نقل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ تمام اختلافی اقوال بیان کر دیئے جائیں۔ ''صحیح' غیر صحیح'' پر تنبیہ کر دی جائے اور اس اختلاف کا فائدہ بھی بیان کر دیا جائے تاکہ بیکار کام میں پڑ کر کوئی شخص کارآمد شغل سے محروم نہ ہو جائے۔ جو شخص اختلاف نقل کرتے ہوئے تمام اقوال بیان نہ کرے تو یہ بھی اس کا قصور ہے۔ ممکن ہے ٹھیک قول وہی ہو جسے اس نے چھوڑ دیا اسی طرح جو شخص اختلاف نقل کر کے فیصلہ کیے بغیر چھوڑ دے وہ بھی تقصیر کرے گا۔ اگر غیر صحیح کو جان بوجھ کر صحیح کہہ دے تو پھر وہ جھوٹا ہے اور اگر جہالت سے ایسا کیا تب بھی خطا کار ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ایسی باریک بات میں جس میں کوئی بڑا فائدہ نہ ہو بہت سارے اختلافی اقوال نقل کر دے یا ایسے اختلافات کرنے بیٹھ جائے جن کے الفاظ مختلف ہوں گے مگر نتیجہ کے اعتبار سے یا تو اختلاف بالکل ہی اٹھ جاتا ہو یا یونہی معمولی سا رہ جاتا ہو۔ وہ بھی اپنے عزیز وقت کو بیکار کرے گا اور بے مقصد کام کرے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو جھوٹے کپڑے پہن لے۔ بھلائی اور سیدھی بات کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے۔

فصل: تفسیر بیان کرنے کا آخری طریقہ: جب کسی آیت کی تفسیر قرآن حدیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم تینوں

تفسیر میں اللہ کی ایک نشانی تھے فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے قرآن پاک سیکھا اور سمجھا۔ [1] ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر سمجھ سمجھ کر پڑھا۔ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''خود میں نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کو دیکھا کہ کتاب' قلم' دوات لے کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا کرتے اور تفسیر قرآن دریافت کر کے اس میں تحریر فرماتے۔ [2] قرآن کریم کی تفسیر اسی طرح نقل فرمائی۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا فرمان تھا کہ ''مجاہد جب کسی آیت کی تفسیر کر دیں تو پھر اس کی ٹٹول کرنا بے سود ہے۔ بس ان کی تفسیر کافی ہے'' [3] حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرح حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ ' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ تھے اور حضرت عطاء بن ابو رباح حضرت حسن بصری حضرت مسروق بن اجدع' حضرت سعید بن مسیّب' حضرت ابو العالیہ' حضرت ربیع بن انس' حضرت قتادہ اور حضرت ضحاک بن مزاحم وغیرہ تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد والوں کی تفسیر معتبر مانی جائے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آیت کی تفسیر میں ان بزرگوں کے اقوال جب ذکر کیے جاتے ہیں اور ان کے الفاظ میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے تو بے علم لوگ اسے معنوی اختلاف سمجھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی نے ایک چیز کی تعبیر اس کے لازم سے کی' کسی نے اس کی نظیر سے' کسی نے اس چیز کو ہی بیان کر دیا۔ پس ان صورتوں میں گو الفاظ میں اختلاف ہو لیکن معنی ایک ہی رہتے ہیں۔ عقل مند کو چاہیے کہ ایسی جگہ لغزش نہ کھائے۔ ﴿ وَاللّٰهُ الْهَادِيْ ﴾

شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال فروعی مسائل میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیسے حجت ہو جائیں گے؟ شعبہ رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان سے اختلاف کرنے والے پر ان کے اقوال حجت نہیں لیکن ان کے اجماعی اقوال کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ہاں اختلاف کے وقت نہ ان کا قول آپس میں ایک دوسرے پر حجت ہے نہ غیروں پر۔ ایسی صورت میں لغت قرآن' حدیث' عام لغت عرب اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

تفسیر میں رائے کا دخل: ہاں صرف اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود کچھ کہہ دے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔'' [4] ابن جریر'

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۰)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۰)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۹۱)]

[4] [**ضعیف**: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه (۲۹۵۰'۲۹۵۱'۲۹۵۲) نسائی فی السنن الکبری (۸۰۸۵) دارمی (۱/۷۶) ابو یعلی (۲۳۳۸)] اس روایت کی سند میں عبد الاعلی راوی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۱۷۸۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہیں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ خطا کرے گا'' [1] (ابن جریر) ابوداوٗد' ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے غریب کہا ہے اور اس کے راوی سہیل پر بعض اہل علم نے کلام بھی کیا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ ''جو اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات بھی کہہ دے تب بھی وہ خطا کار ہوگا'' اس لیے کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جس کا اسے علم نہ تھا اور وہ چال چلا جس چال کے چلنے کا اسے حکم نہ تھا۔ پس اگر چہ اس کے منہ سے ٹھیک بات نکل جائے پھر بھی وہ خطا کار ہوگا اس لیے کہ کام کو کام کے طریقے پر اس نے نہیں کیا۔

اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص بے علم ہو پھر فیصلے کرنے بیٹھ جائے اسے جہنمی کہا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے شخص کی صحیح بات پر مواخذہ کم ہو لیکن ہے خطا کار۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے تہمت لگا کر گواہ نہ پیش کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کاذب یعنی جھوٹا فرمایا ہے۔ گو حقیقت میں وہ سچا ہی ہو اور جس کی نسبت وہ زنا کا الزام لگا رہا ہے۔ وہ واقعی زانی ہو لیکن چونکہ اسے اس خبر کو بلا شہادت پھیلانا حلال نہ تھا مگر اس نے پھیلائی تو جھوٹا ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر میں اسلاف کا منہج: یہی وجہ تھی کہ سلف کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''مجھے کونسی زمین اٹھائے گی اور کون سا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا'' [2] آپ سے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ [3] کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو فرماتے ہیں مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین اٹھائے گی جب کہ میں قرآن میں وہ کہوں جو نہیں جانتا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر اسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں ﴿فَاكِهَةً﴾ کو تو ہم جانتے ہیں لیکن اَبّ وہ کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں اے عمر اس تکلف میں کیوں پڑو؟ [4] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔

آپ کے قمیص کے پیچھے چار پیوند لگے ہوئے تھے آپ نے اس آیت ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ کی تلاوت کی اور کہا کہ اَبّ کیا چیز ہے؟ پھر فرمانے لگے اس تکلف کی تمہیں کیا ضرورت؟ اس کے نہ جاننے میں کیا حرج؟ مطلب

---

[1] [**ضعیف**: ابو داؤد: کتاب العلم: باب الکلام فی کتاب اللہ بلا علم (٣٦٥٢) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ (٢٩٥٢) نسائی فی السنن الکبریٰ (٨٠٨٦) بغوی فی شرح السنۃ (١/٩) تفسیر ابن جریر للطبری (٨٠) الکامل لابن عدی (٣/٤٥٠) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں سہیل بن ابی حزم راوی ہے جسے امام ابوحاتمؒ نے غیر قوی کہا ہے، میزان الاعتدال میں ہے کہ ابن معینؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور تقریب میں حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [**مرسل**: تفسیر ابن جریر الطبری (١/٧٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو مرسل کہا ہے۔]

[3] [سورۃ عبس: آیت ٣١] [4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٤/٢٢٩)]

میں موجود ﴿فَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا حَبّٗا وَعِنَبٗا﴾ (عبس/ ٢٧) یعنی ہم نے زمین میں اناج اور انگور اگا دئے۔

ابن جریر میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے کچھ بیان نہ فرمایا حالانکہ اگر اس کی تفسیر تم میں سے کسی سے پوچھی جاتی تو فوراً جواب دے دیتے۔ [1]

دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ قرآن میں ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا ذکر ہے یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اور پچاس ہزار سال کے برابر کے دن کا ذکر ہے وہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ [2] خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے مفسر قرآن نے قرآن کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کر دیا۔تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ طلق بن حبیب رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو فرمانے لگے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں قسم ہے کہ تم یہاں سے ضرور چلے جاؤ یا فرمایا یہاں بیٹھے رہو۔حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے قرآن کی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ہم قرآن کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جو کچھ معلوم ہوتا اسی کو قرآن کی تفسیر میں بیان فرماتے۔ [3] ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال پر آپ نے فرمایا مجھ سے قرآن کی تفسیر نہ پوچھو۔قرآن کی تفسیر اس سے پوچھو جو کہتا ہے کہ مجھ سے قرآن کی کوئی آیت مخفی نہیں یعنی حضرت عکرمہ رحمہ اللہ یزید بن ابو یزید کہتے ہیں ہم حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے حلال وحرام کے مسائل پوچھتے تھے۔ آپ ان میں سب سے زیادہ عالم نظر آتے۔لیکن جب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھتے تو ایسے خاموش ہو جاتے گویا سنا ہی نہیں۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے مدینہ کے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔جیسے حضرت سالم بن عبداللہ' قاسم بن محمد' سعید بن مسیّب' نافع رحمہم اللہ وغیرہ۔ حضرت ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد عروہ رحمہ اللہ کو کبھی کسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر پوچھی جاتی تو فرماتے ''جو لوگ قرآن کی آیتوں کو جانتے تھے کہ کس بارے میں نازل ہوئیں وہ تو اس دنیا کو خالی کر گئے اب تم ٹھیک ٹھاک اور سیدھے سادے رہو۔'' [4]

حضرت مسلم بن یسار رحمہ اللہ اپنے والد سے بیان فرماتے ہیں

''جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بات کہنی ہے۔'' حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ہمارے سب ساتھی قرآن کی تفسیر کو بڑی چیز جانتے تھے اور اس

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٨٦)]
[2] تفسیر ابن جریر الطبری (٢٣/٦٠٢)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/٨٦)]
[4] [تفسیر ابن الطبری (١/٨٦)]

تاہم میں یہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔'' حضرت مسروق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''تفسیر میں بے حد احتیاط کرو تفسیر تو اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے'' [1] ان تمام اور ان جیسے دیگر آثار صحیحہ کا جو ائمہ سلف سے منقول ہیں یہ مطلب ہے کہ یہ علماء کرام ہرگز ہرگز بغیر علم کے قرآن کے معنی و مطلب بتانے میں لب کشائی نہیں کرتے تھے۔ ہاں لغت کی رو سے یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں اسی لیے خود ان بزرگوں کے پاکیزہ اقوال قرآن کریم کی تفسیر میں بکثرت مروی ہیں۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ جب یہ بزرگ اس طرح کانپتے رہتے تھے اور تفسیر بیان نہیں فرماتے تھے پھر ان سے تفسیر منقول کیوں ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ چپ وہاں رہتے تھے جہاں نہیں جانتے تھے اور کہتے اس جگہ تھے جہاں کا علم ہوتا اور یہ دونوں ہی باتیں ہر ایک پر واجب ہیں۔ بے علمی کے وقت چپ رہنا اور علم کو بیان کرنا۔ قرآن فرماتا ہے: ﴿لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ (آل عمران / ۱۸۷) یعنی اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہو اور چھپاؤ نہیں۔

حدیث شریف میں ہے جس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام چڑھائی جائے گی۔ [2] ابن جریر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی ان ہی آیتوں کی تفسیر فرمایا کرتے تھے جن کی تفسیر جبرائیل علیہ السلام سمجھا جاتے [3] لیکن یہ حدیث منکر اور غریب ہے اور اس کے راوی جعفر جو محمد بن خالد بن زبیر بن عوام قریشی کے لڑکے ہیں۔ ان کی بابت امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی حدیث میں متابعت نہیں کی جاتی۔ حافظ ابوالفتح ازدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح ہو تو بھی اس کا صحیح مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ آیتیں ہیں جن کے معنی اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔ ایسی آیتوں کے مطلب حضور ﷺ کو بذریعہ جبرائیل علیہ السلام معلوم کرا دیئے جاتے تھے۔ امام ابوجعفر رحمہ اللہ نے اس روایت کے جو معنی بیان فرمائے ہیں ان کا ماحصل بھی یہی ہے اور یہی معنی درست بیٹھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کا علم علماء کو ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جو عرب کے لوگ اپنی لغت سے سمجھ سکتے ہیں۔ ایسی بھی ہیں کہ جن کے معنی اس طرح واضح ہیں کہ کسی کا کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۸٦)]

[2] [صحیح: ابو داؤد: کتاب العلم: باب کراھیة منع العلم (۳٦۵۸) ابن ماجه: المقدمه: باب من سئل عن علم فکتمه (۲٦۱، ۲٦٦) ترمذی: کتاب العلم: باب ما جآء فی کتمان العلم (۲٦٤۹) حاکم (۱/۱۰۱) ابن حبان (۹۵) مسند احمد (۲/۲٦۳)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [التعلیق الرغیب (۱/۷۳)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ تاہم حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۱/۱۱۷)]

[3] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۹۰، ۹۱) ابو یعلی (٤۵۲۸) مجمع الزوائد (٦/۳۰۳) کشف الاستار للبزار (۲۱۸۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

معلوم ہو جاتی ہے دوسری وہ جس کی جہالت میں کوئی معذور نہیں۔ تیسری وہ جسے ذی علم لوگ جان سکتے ہیں۔ چوتھی وہ جسے اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔[1] ایک مرفوع حدیث بھی اس بارے میں مروی ہے لیکن اس کی اسناد میں کلام ہے اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”قرآن کا نزول چار طریق پر ہوا ہے۔ حلال حرام کی آیتیں جن سے اگر کوئی ناواقف رہے تو اس کا کوئی عذر قیامت کے دن کام نہ آئے گا اور وہ تفسیر جسے عرب بیان کریں اور وہ تفسیر جو ذی علم جان سکے۔ اور وہ متشابہ آیتیں جن کا حقیقی علم بجز ذات باری تعالیٰ کے کسی اور کو حاصل نہیں۔ جو لوگ اس کے جاننے کا دعویٰ کریں وہ جھوٹے ہیں۔“[2] اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی ہیں وہ متروک الحدیث ہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے موقوف روایت یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو مرفوع حدیث سمجھ لیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مفید مقدمہ، سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ برآۃ، سورۂ رعد، سورۂ نحل، سورۂ حج، سورۂ نور، سورۂ احزاب، سورۂ محمد، سورۂ فتح، سورۂ حجرات، سورۂ رحمٰن، سورۂ حدید، سورۂ مجادلہ، سورۂ حشر، سورۂ ممتحنہ، سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون، سورۂ تغابن، سورۂ طلاق، سورۂ تحریم، سورۂ زلزال اور سورۂ نصر یہ سب سورتیں تو مدینہ شریف میں نازل ہوئیں[3] اور باقی تمام سورتیں مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں۔ اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس سے زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دو سو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دو سو چودہ آیتیں۔ بعض دو سو انیس، بعض دو سو پچیس، بعض دو سو چھبیس ابو عمر دانی نے کتاب البیان میں یہ سب تفصیل سے لکھا ہے۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کل قرآن شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں۔ فضل بن عطاء بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل حروف تین لاکھ تئیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں، حافظوں اور کاتبوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ قرآن کریم کے حروف کے گنتی کر کے مجھے بتاؤ، تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔

پھر حجاج بن یوسف نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے آدھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورۂ کہف میں ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ کی ”ف“ پر ٹھیک آدھا قرآن ہوتا ہے۔

اور سورۂ برآت کی سو آیتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے اور دوسری تہائی سورۂ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک آیت کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک اور اگر

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱/۷۵)]

[2] [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (۷۲)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ محمد بن سائب کلبی راوی کی وجہ سے اس روایت کی سند شدید ضعیف ہے۔]

[3] [الاتقان للسیوطی (۱/۲۸)]

اس آیت میں ہے ﴿فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ﴾ (النساء/ ٥٥) اور دوسری منزل ﴿حَبِطَتْ﴾ کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے جو سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۷ ﴿أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ﴾ میں ہے اور تیسری منزل ﴿أُكُلُهَا﴾ کے آخری ''ا'' پر جو سورۂ رعد آیت ۳۵ میں ہے اور چوتھی منزل ﴿جَعَلْنَا﴾ کے ''ا'' پر جو سورۂ حج کی آیت ۶۷ ﴿جَعَلْنَا مَنسَكًا﴾ میں ہے اور پانچویں منزل ﴿مُؤْمِنَةٍ﴾ کی ''ۃ'' پر جو سورۂ احزاب میں آیت ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ﴾ (الاحزاب/ ٣٦) میں ہے اور چھٹی منزل ﴿السَّوْءِ﴾ کی ''ؤ'' پر جو سورۂ فتح کی آیت ﴿الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ﴾ (الفتح/ ٦) میں ہے اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔

ابومحمد سلام حمانی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے اور آدھا سورۂ کہف کے لفظ ﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ پر اور تین چوتھائی سورۂ زمر کے خاتمہ پر اور پورا پورے قرآن پر۔ شیخ ابوعمرو دانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب البیان میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ [1]

قرآن کی سات منزلیں: رہے قرآن شریف کے پڑھنے کے اعتبار سے حصے اور اجزاء تو مشہور تیس پارے ہیں اور ایک حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قرآن کریم کو سات منزلیں کر کے پڑھنے کا بیان ہے۔ مسند احمد، سنن ابی داود اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا گیا کہ قرآن کے وظیفے کس طرح کرتے ہیں تو فرمایا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل، پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل، پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل، پھر ان کے بعد کے گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل، پھر ان کے بعد کی تیرہ سورتوں کی چھٹی منزل اور مفصل کی یعنی سورۂ ق سے لے کر آخر تک کی ایک منزل۔ [2]

فصل: سورت کی لفظی بحث کے بیان میں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس کے معنی علیحدگی و بلندی کے ہیں چنانچہ نابغہ کے ایک عربی شعر میں سورۃ کا لفظ اسی معنی میں آیا ہے تو اس معنی کا تعلق قرآن کی سورتوں کے ساتھ اس طرح ہوگا کہ گویا قرآن کا پڑھنے والا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف جاتا رہتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرافت اور اونچائی کے معنی میں ہے اسی لیے شہر پناہ کو عربی میں سور کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ برتن میں جو حصہ باقی رہ جائے اسے عربی میں اسارہ کہتے ہیں، اور سورۃ کا لفظ اسی سے لیا گیا ہے چونکہ سورہ بھی قرآن کا ایک حصہ اور ایک

---

[1] [تفسیر القرطبی (١/ ٦٤)]

[2] [**ضعیف**: مسند احمد (٤/ ٩) ابن ماجه: كتاب اقامة الصلوة: باب في كم يستحب يختم القرآن (١٣٤٥) ابو داؤد: كتاب شهر رمضان: باب تحريب القرآن (١٣٩٣) طبرانی کبیر (١/ ٢٢٠)، (٥٩٩) ابن ابی شيبة (١/ ٤٢٧)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

وکمال کے ہیں۔ پوری اونٹنی کو عربی زبان میں ﴿سورۃ﴾ کہتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح قلعہ کو عربی میں اس لیے سور کہتے ہیں کہ محلوں اور گھروں کا احاطہ کر لیتا ہے اور انہیں جمع کر لیتا ہے۔ اسی طرح چونکہ آیتوں کو سورت جمع کر لیتی ہے اور ان کا احاطہ کر لیتی ہے اس کو بھی سورۃ کہتے ہیں۔ سورت کی جمع سُوَرٌ آتی ہے اور کبھی سُوْرَاتٌ اور سُوَارَاتٌ بھی آتی ہے۔

آیت کی وجہ تسمیہ: آیت کو آیت اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آیت کے لفظی معنی علامت اور نشان کے ہیں چونکہ آیت پر کلام ختم ہوتا ہے اور اول آخر سے جدا ہو جاتا ہے اس لیے اسے آیت کہتے ہیں۔ قرآن میں بھی آیت علامت اور نشان کے معنی میں ہے۔ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اٰیَةَ مُلْکِهٖ﴾ (البقرہ/ ۲۴۸) یعنی اس کے بادشاہ ہونے کی نشانی اور علامت۔ اسی طرح نابغہ کے شعروں میں بھی آیت اسی معنی میں ہے اور آیت کے معنی جماعت اور گروہ کے بھی آتے ہیں۔ عرب کے شعروں میں یہ لفظ اس معنی میں بھی آیا ہے۔ چونکہ آیت بھی حروف کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے اس رعایت سے اسے بھی آیت کہتے ہیں اور آیت کے معنی عجیب کے بھی ہیں۔ چونکہ یہ عجیب چیز ہے، معجزہ ہے تمام انسان اس جیسی بات نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے بھی اسے آیت کہتے ہیں۔ سیبویہ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ "اَیَیَةٌ" تھا جیسے "اَکَمَةٌ" اور "شَجَرَةٌ" پہلی "ی" عربی قاعدہ کے مطابق الف بن گئی۔ کسائی کا قول ہے کہ آیت کی اصل "آیِیَةٌ" تھی جیسے "آمِنَةٌ" ے الف ہو گئی اور التباس کی وجہ سے گر گئی۔ فراء کہتے ہیں کہ یہ اصل میں "اَیَّیَةٌ" تھا پھر یا کو تشدید کی وجہ سے الف سے بدل دیا گیا "آیَةٌ" ہو گیا آیت کی جمع "آیٌ" آیایٌ" اور "آیَاتٌ" آتی ہے۔

کلمہ کا مفہوم: کلمہ کہتے ہیں ایک لفظ کو۔ کبھی تو اس کے دو ہی حرف ہوتے ہیں جیسے "مَا" اور "لَا" وغیرہ اور "لَهٗ" وغیرہ کبھی زیادہ بھی ہوتے ہیں زیادہ سے زیادہ دس حرف ایک کلمہ میں ہوتے ہیں جیسے ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ اور ﴿اَنُلْزِمُکُمُوْهَا﴾ اور ﴿فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ﴾ اور ایک ہی کلمہ کی ایک آیت ہوتی ہے جیسے ﴿وَالْفَجْرِ﴾ اور ﴿وَالضُّحٰی﴾ اور ﴿وَالْعَصْرِ﴾ اور اسی طرح ﴿الٓمّٓ﴾ اور ﴿طٰهٰ﴾ اور ﴿یٰسٓ﴾ اور ﴿حٰمٓ﴾ کوفیوں کے قول ہیں، اور ﴿حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ﴾ ان کے نزدیک دو کلمے ہیں اور ان کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں نہیں بلکہ سورتوں کے شروع ہیں۔ ابو عمرو دانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی آیت قرآن کریم میں سوائے ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ﴾ کے جو سورۂ رحمٰن میں ہے اور کوئی نہیں۔

فصل: قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام، لوط علیہ السلام اور اس اختلاف کے جواب میں کہ کیا قرآن میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ ہیں؟ تو باقلانی اور طبری نے تو صاف انکار کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ عجمیت کے مطابق جو ہے وہ حقیقت میں عربی ہی ہے لیکن موافقت ہے۔

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

سورہ فاتحہ کے نام: اس سورت کا نام سورۂ فاتحہ ہے‘ فاتحہ کہتے ہیں شروع کرنے والی کو۔ چونکہ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہی سورت لکھی گئی ہے اس لیے اسے سورۂ فاتحہ کہتے ہیں اور اس لیے بھی کہ نمازوں میں قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے اس کا نام اُمّ الْکِتَاب بھی ہے جمہور یہی کہتے ہیں۔ حسن رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کا نام ام الکتاب ہے۔ حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ محکم آیتوں کو ام الکتاب کہتے ہیں۔ ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ پوری سورت تک یہی سورت اُمُّ الْقُرْآن ہے اور اُمُّ الْكِتَاب ہے اور سَبْعَ مَثَانِي ہے اور قرآن عظیم ہے۔[1] اس سورت کا نام سورة الحمد اور سورة الصلوة بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں نے صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پوری حدیث تک۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا نام صلوٰۃ بھی ہے اس لیے کہ اس سورت کا نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اس سورت کا نام سورة الشفاء بھی ہے دارمی میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سورت فاتحہ ہر زہر کی شفا ہے[3] اور اس کا نام سورة الرقيه بھی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے جب سانپ کے کاٹے ہوئے شخص پر اس سورت کو پڑھ کر دم کیا وہ اچھا ہو گیا۔ تب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ رقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے کی سورت؟“[4] ابن

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة الحجر (٤٧٠٤)] بخاری کے لفظ یہ ہیں ﴿ام القرآن هی السبع المثانی والقرآن العظیم﴾ مزید دیکھئے: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الحجر (٣١٢٤)] ترمذی میں ﴿رب العالمین﴾ اور ﴿القرآن العظیم﴾ کے لفظ نہیں۔ ابو داؤد: کتاب الصلوة: باب فاتحة الکتاب (١٤٥٧)] اور ابوداود میں ﴿القرآن العظیم﴾ کے لفظ نہیں ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصلاة: باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعته (٣٩٥) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلوة: باب القرآءة خلف الامام (٨٣٧) ابو داؤد: کتاب الصلوة: باب من ترك القرأة فی صلاته بفاتحة الکتاب (٨٢١) نسائی: کتاب الافتتاح: باب ترك القراءة بسم الله الرحمن الرحيم فی فاتحة الکتاب (٩١٠) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب و من سورة فاتحه الکتاب (٢٩٥٣) بیهقی فی شعب الایمان (٢٣٦١)، (٢/٤٤٥-٤٤٦) مالك فی النداء للصلاة (١٨٩) مسند احمد (٧٢٨٩، ٨٧٢٣، ٩٩٣٤)]

[3] [صحیح بالشواهد: البیهقی فی شعب الایمان (٢٣٧٠) السیوطی فی الدرر المنثور (١/٢٢-٢٣) امام سیوطی ؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ امام بیہقی ؒ نے فرمایا ہے کہ یہ منقطع ہے مگر اس کے شواہد موجود ہیں۔]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاجارة: باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب بفاتحة الکتاب (٢٢٧٦) صحیح مسلم: کتاب السلام: باب جواز اخذ الاجرة علی الرقیة (٢٢٠١) مسند احمد (١٠٩٩٨، ١١٤١٥) ابوداود: کتاب البیوع: باب فی کسب الحجام (٣٤١٨) و کتاب الطب: باب کیف الرقی (٣٩٠٠) ترمذی: کتاب الطب: باب ما جاء فی اخذ الأجر علی التعویذ (٢٠٦٥) نسائی فی عمل الیوم واللیلة من الکبری: باب ما یقول علی الملدوغ (١٠٨٦٧) ابن ماجه (٢١٥٦)]

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ہے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔اس کا نام واقیہ ہے۔یحییٰ بن کثیر کہتے ہیں اس کا نام کافیہ بھی ہے۔اس لیے کہ یہ اپنے علاوہ سب کی کفایت کرتی ہے۔اور دوسری سورت اس سورت سے کفایت نہیں کرتی۔بعض مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ ام القرآن بدل ہے اس کے غیر کا مگر اس کا غیر اس کا بدل نہیں۔ [1] اسے سورۃ الصلوۃ اور سورۃ الکنز بھی کہا گیا ہے۔زمخشری رحمہ اللہ کی تفسیر کشاف دیکھئے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ رحمہ اللہ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مجاہد رحمہ اللہ عطاء بن یسار رحمہ اللہ اور زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔اور یہ بھی ایک قول ہے کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں لیکن پہلا قول ہی زیادہ ٹھیک ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ﴾ [2] یعنی ہم نے تمہیں سبع مثانی سات آیتیں دہرائی جانے والی دی ہیں۔واللہ اعلم۔

ابو اللیث سمر قندی رحمہ اللہ کا ایک قول قرطبی رحمہ اللہ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس سورت کا نصف تو مکہ شریف میں نازل ہوا اور آخری نصف حصہ مدینہ شریف میں نازل ہوا لیکن یہ قول بالکل غریب ہے۔

ان آیتوں کی نسبت اتفاق ہے کہ سات ہیں لیکن عمرو بن عبید نے آٹھ اور حسین جعفی رحمہ اللہ نے چھ بھی کہی ہیں، اور یہ دونوں قول شاذ ہیں۔

بسم اللہ کے حوالے سے اختلاف: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی مستقل آیت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے تمام کوفی قاری اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اور پچھلے بہت سارے بزرگ تو اسے سورۂ فاتحہ کے اوّل کی ایک پوری اور مستقل آیت کہتے ہیں بعض اسے اس کا جزو مانتے ہیں اور بعض سرے سے اس آیت کو اس کے شروع میں مانتے ہی نہیں۔جیسے کہ مدینہ شریف کے قاریوں اور فقیہوں کے یہ تینوں قول ہیں۔اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

سورۃ فاتحہ کی مزید کچھ تفصیل: اس سورت کے کلمات پچیس ہیں اور حروف ایک سو تیرہ ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ کتاب التفسیر کے شروع میں صحیح بخاری میں لکھتے ہیں ام الکتاب اس سورت کا نام اس لیے ہے کہ قرآن شریف کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے [3] اور نماز کی قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ تمام قرآن شریف کے مضامین اجمالی طور سے اس میں ہیں اس لیے اس کا نام ام الکتاب ہے عرب کی عادت ہے کہ ہر ایک جامع کام اور کام کی جڑ کو جس کی شاخیں اور اجزاء اسی کے تابع ہوں اُمّ کہتے ہیں۔دیکھئے ام الراس وہ اس جلد کو کہتے ہیں جو دماغ کی جامع ہے۔اور لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ام کہتے ہیں۔شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت پایا جاتا ہے۔مکہ شریف کو ام القریٰ کہنے کی بھی یہی وجہ

---

[1] [دارقطنی (۳۲۲/۱) حاکم (۲۳۸/۱)]

[2] [سورۃ الحجر: آیت ۸۷]

[3] [بخاری: کتاب التفسیر: باب ما جاء فی فاتحة الکتاب (قبل الحدیث / ٤٤٧٤)]

ہوتی ہے اور قرآن شریف کو لکھتے وقت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی کو پہلے لکھا۔ اس لیے اسے فاتحہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا ایک صحیح نام سبع مثانی بھی ہے اس لیے کہ یہ بار بار نماز میں پڑھی جاتی ہے ہر رکعت میں اسے پڑھا جاتا ہے اور مثانی کے معنی اور بھی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اپنی جگہ بیان ہوں گے واللہ اعلم۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام القرآن کے بارے میں فرمایا یہ ام القرآن ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی قرآن عظیم ہے۔ [2] ایک اور حدیث میں ہے یہی ام القرآن ہے یہی فاتحۃ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے [3] تفسیر مردویہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ کی سات آیتیں ہیں۔ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ بھی ان میں سے ایک آیت ہے اسی کا نام سبع مثانی ہے یہی قرآن عظیم ہے یہی ام الکتاب ہے۔ [4] یہی فاتحۃ الکتاب ہے دار قطنی میں بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے اور بقول امام دار قطنی رحمہ اللہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی میں ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سبع مثانی کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے اور بسم اللہ الخ اس کی ساتویں آیت ہے اور بسم اللہ کی بحث میں یہ بیان پورا آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ کو اپنے لکھے ہوئے قرآن شریف کے شروع میں کیوں نہیں لکھا؟ تو کہا اگر میں لکھتا تو پھر ہر سورت کے پہلے اس کو لکھتا۔ ابو بکر بن ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں پڑھے جانے کی حیثیت سے۔ اور چونکہ تمام مسلمانوں کو حفظ ہے اس لیے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک حدیث وارد کی ہے جس میں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی۔ باقلانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ تو سب سے پہلے نازل ہوئی اور دوسرا قول یہ ہے کہ ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ [5] سب سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (علق / ۱) نازل

---

[1] [تفسیر الطبری (۱/۱۰۷)]

[2] [صحیح: مسند احمد: (۲/۴۴۸)، (۹۴۹۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری: کتاب التفسیر (۴۷۰۴) میں ان لفظوں ﴿ام القرآن هی السبع المثانی و القرآن العظیم﴾ میں موجود ہے۔]

[3] [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۴)، (۱/۴۷) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف: دار قطنی (۱/۳۱۲) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ کیونکہ اس میں اسحٰق بن عبدالواحد موصلی راوی ہے جس کے متعلق امام نسائیؒ نے فرمایا ہے کہ میں اسے نہیں جانتا، ابن جوزیؒ نے اسے متروک الحدیث کہا ہے، امام ذہبیؒ نے اسے کمزور کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ اس میں بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ [میزان الاعتدال (۱/۱۹۵) تہذیب (۱/۲۱۲)]

[5] [سورہ المدثر: آیت ۱]

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: مسند احمد میں حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اب تک کس کام میں تھے؟ میں نے کہا حضور میں نماز میں تھا آپ نے فرمایا "کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا؟ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ (الانفال / ٢٤) اے ایمان والو! اللہ کے رسول جب تمہیں پکاریں تم جواب دو۔ اچھا سنو! میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے بتا دوں گا کہ قرآن پاک میں سب سے بڑی سورت کون سی ہے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑے ہوئے جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا سورت ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری شریف' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی دوسری سندوں کے ساتھ ہے۔ [1]

واقدی نے یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان کیا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی وہ نماز میں مشغول تھے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا۔ اس وقت مسجد سے باہر نکل رہے تھے کہ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے تجھے ایسی سورۃ بتاؤں کہ توراۃ انجیل اور قرآن میں اس کے مثل نہیں۔ اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا حضور وہ سورت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کے شروع میں تم کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پوری سورت تک۔ آپ نے فرمایا یہی وہ سورت ہے' سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے [2] اس حدیث کے آخری راوی ابوسعید ہیں۔

اس بنا پر ابن اثیر رحمہ اللہ اور ان کے ساتھ والے یہاں دھوکا کھا گئے ہیں اور وہ انہیں ابوسعید بن معلیٰ سمجھ بیٹھے ہیں درحقیقت یہ ابوسعید دوسرے ہیں یہ مولا خزاعی ہیں اور تابعین میں سے ہیں اور وہ ابوسعید انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی حدیث متصل اور صحیح ہے اور یہ حدیث بظاہر منقطع معلوم ہوتی ہے اگر ابوسعید رحمہ اللہ تابعی کا حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہ ہو اور اگر سننا ثابت ہو تو یہ حدیث شرط مسلم پر ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٣/ ٢١١) صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ماجاء فی فاتحة الکتاب (٤٤٧٤، ٤٦٧٤) ابو داؤد: کتاب الوتر: باب فاتحة الکتاب (١٤٥٨) ابن ماجه: کتاب الادب: باب ثواب القرآن (٣٧٨٥) صحیح ابن حبان (٧٧٧) نسائی: کتاب الافتتاح: باب قول الله تعالیٰ: ولقد اتینك سبعا من المثانی والقرآن العظیم (٩١٢) صحیح ابن حزیمة (٨٦٢) مسند ابو یعلی (٦٨٣٧) طبرانی (٧٦٨، ٧٦٩) بیهقی (٧/ ٦٤)]

[2] [صحیح: موطا امام مالك (١/ ٨٣) مستدرك حاكم (١/ ٥٧٧) التمهيد لابن عبد البر (٢٠/ ٢١٧) نسائی فی تفسیره (٢٢٥) جامع ترمذی (٢٨٧٥) سنن دارمی (٢/ ٣٢٠) مسند احمد (٢/ ٤١٢) امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

یہ نماز میں تھے۔ التفات کیا مگر جواب نہ دیا۔ آپ نے پھر پکارا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے نماز مختصر کر دی اور فارغ ہو کر جلدی سے حاضر خدمت ہوئے سلام علیک عرض کیا آپ نے جواب دے کر فرمایا ابی تم نے مجھے جواب کیوں نہ دیا؟ کہا حضور میں نماز میں تھا۔ آپ نے وہی آیت پڑھ کر فرمایا "کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی؟" کہا حضور غلطی ہوئی اب ایسا نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں ایک ایسی سورت بتاؤں کہ توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی سورت نہ ہو۔ میں نے کہا ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا یہاں سے جانے سے پہلے ہی میں تمہیں بتادوں گا پھر حضور میرا ہاتھ تھامے ہوئے اور باتیں کرتے رہے اور میں نے اپنی چال دھیمی کر دی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ بات رہ جائے اور آپ باہر چلے جائیں۔ آخر جب دروازے کے قریب پہنچ گئے تو میں نے آپ کو وعدہ یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا نماز میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے "ام القرآن" پڑھ کر سنائی۔ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نہیں یہ سبع مثانی ہے۔ (1) ترمذی میں مزید یہ بھی ہے کہ یہی وہ بڑا قرآن ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔ (2) یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اس باب میں ایک حدیث مروی ہے۔ (3) مسند احمد کی ایک مطول حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے۔ ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ (4)

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ اس وقت استنجے سے فارغ ہوئے ہی تھے میں نے تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی جواب نہ دیا۔ آپ گھر میں تشریف لے گئے اور میں غم و رنج کی حالت میں مسجد میں چلا گیا تھوڑی دیر بعد طہارت کر کے تشریف لائے اور تین مرتبہ ہی میرے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا اے جابر بن عبداللہ سنو تمام قرآن میں بہترین

---

(1) [صحیح : مسند احمد (٤١٣/٢) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(2) [صحیح : ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجاء فی فضل فاتحة الکتاب (٢٨٧٥) نسائی فی تفسیرہ (٢٢٥) دارمی (٣٢٠/٢) صحیح ابن خزیمة (٣٧/٢) ابو یعلی (٣٦٧/١١) طحاوی فی مشکل الآثار (٤٦٧/١ ـ ٤٦٨) مولانا مبشر احمد ربانی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(3) [صحیح : السلسلة الصحیحة (١٤٩٩) النسائی فی فضائل القرآن من الکبری (٨٠١١) وفی الیوم واللیلة (٧٢٣) صحیح ابن حبان (الموارد ـ ١٧١٣) مستدرك حاکم (٥٦٠/١) بیهقی فی الشعب (٢٣٥٨) السیوطی فی الدر (٥/١)]

(4) [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الحجر (٣١٢٥) نسائی : کتاب الافتتاح : باب فضل فاتحة الکتاب (٩١٣) مسند احمد (٣٥٧/٢) صحیح ابن خزیمة (٥٠٠، ٥٠١) مستدرك حاکم (٥٥٧/١)] امام حاکمؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔]

ہے اس کی حدیث بڑے بڑے ائمہ روایت کرتے ہیں اور ان عبداللہ بن جابر سے مراد ''عبدی صحابی'' ہیں ابن الجوزی کا بھی یہی قول ہے واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ عبداللہ بن جابر انصاری بیاضی ہیں یہ حدیث اور اس جیسی اور احادیث سے استدلال کر کے اسحاق بن راہویہ' ابوبکر بن عربی' ابن الحفار رحمہم اللہ وغیرہ اکثر علماء نے کہا ہے کہ بعض آیتیں اور بعض سورتیں بعض پر فضیلت رکھتی ہیں یہی ایک دوسری جماعت کا بھی خیال ہے کہ کلام اللہ کل کا کل فضیلت میں برابر ہے۔ ایک کو ایک پر فضیلت دینے سے یہ قباحت ہوتی ہے کہ دوسری آیتیں اور سورتیں اس سے کم درجہ کی نظر آئیں گی حالانکہ کلام اللہ سارے کا سارا فضیلت والا ہے۔ قرطبی نے اشعری اور ابوبکر باقلانی اور ابو حاتم بن حیان بستی اور یحییٰ بن یحییٰ رحمہم اللہ سے یہی نقل کیا ہے امام مالک رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت میں یہ مذہب منقول ہے۔ (لیکن صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

سورۂ فاتحہ کے فضائل کی مندرجہ بالا احادیث کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں صحیح بخاری شریف فضائل القرآن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے ہوئے تھے ناگہاں ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ کھایا ہے ہمارے آدمی یہاں موجود نہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کر دے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ جھاڑ پھونک بھی جانتا ہے اس نے وہاں جا کر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ اللہ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لیے دودھ بھی بہت سارا بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا ''کیا تمہیں جھاڑ پھونک کا علم تھا؟ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے ہم نے کہا اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اسے کیسے معلوم ہوا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورت ہے؟ فرمایا اس مال کے حصے کر لو میرا بھی ایک حصہ لگانا۔ صحیح مسلم شریف اور ابوداود میں یہ حدیث ہے۔ (۲) مسلم کی بعض روایتوں میں ہے کہ دم کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

---

(۱) [حسن بالشواهد : مسند احمد (۴/۱۷۷) بیهقی فی شعب الایمان (۲۱۵۳) الهیثمی فی مجمع الزوائد (۵/۳۱۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں عبداللہ بن محمد بن عقیل راوی سیئ الحفظ ہے، تاہم اس کی حدیث حسن ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے شواہد کے ساتھ حسن کہا ہے۔]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاجارة : باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب بفاتحة الکتاب (۲۲۷۶) و کتاب الطب : باب النفث فی الرقیة (۵۷۴۹) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب جواز اخذ الاجرة علی الرقیة بالقرآن والاذکار (۲۲۰۱) ترمذی : کتاب الطب : باب ما جاء فی اخذ الاجر علی التعویذ (۲۰۶۳) ابن ماجه : کتاب التجارات : باب اجر الرقی (۲۱۵۶) ابو داؤد : کتاب الطب : باب کیف الرقیٰ (۳۹۰۰) و کتاب البیوع : باب کسب الاطباء (۳۴۱۸)]

کہ اوپر سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اوپر دیکھ کر فرمایا۔ آج آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا تھا پھر وہاں سے ایک فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے ''خوش ہو جائیے دو نور آپ کو ایسے دیئے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔'' سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ایک ایک حرف ان میں سے نور ہے۔ ① صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے پوری نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا پھر بھی چپکے چپکے پڑھ لیا کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف کر دیا ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں۔ جب بندہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ﴾ میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ﴾ میرے بندے نے میری ثناء بیان کی پھر بندہ کہتا ہے ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ﴾ یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے ﴿فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ﴾ یعنی میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہے میرے اور میرے بندے کے درمیان اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تک پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لیے ہے اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لیے ہے۔ ② نسائی میں بھی یہ روایت ہے بعض روایات کے الفاظ میں کچھ تبدیلی بھی ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ③ ابوزرعہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث مطول موجود ہے۔ ④ اس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں ابن جریر کی ایک روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے لیے ہے اور جو باقی ہے وہ میرے بندے کے لیے ہے۔ ⑤ یہ حدیث غریب ہے۔

---

① [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلوة المسافرین: باب فضل الفاتحة خواتیم سورة البقرة (٨٠٦) نسائی: کتاب الافتتاح: باب فضل فاتحه الکتاب (٩١٣) مستدرك حاکم (١/٥٥٨) صحیح ابن حبان (٧٧٨)]

② [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصلوة: باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة (٣٩٥)]

③ [حسن: ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: باب ومن سورة فاتحة الکتاب (٢٩٥٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔]

④ [مسند احمد (٢/٢٨٢)]

⑤ [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری (٢٢٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔]

اول: اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ یعنی نماز کا اطلاق ہے اور مراد اس سے قراۃ ہے جیسے کہ قرآن میں اور جگہ پر ہے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ (الاسراء / ۱۱۰) الخ یعنی اپنی نماز یعنی قراۃ کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو نہ بہت پست آواز سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھا کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں صراحت سے مروی ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد قراۃ ہے [1] اور اسی طرح مندرجہ بالا حدیث میں بھی قراۃ کو صلوٰۃ کہا ہے۔ اس سے نماز میں قراۃ کی جو عظمت ہے وہ معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ قراۃ نماز کا اعلیٰ رکن ہے اس لیے کہ عبادت کا مطلق نام لیا گیا اور اس کے ایک جزو یعنی قراۃ کا ذکر کیا گیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس کے برخلاف ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ قراۃ کا اطلاق کیا گیا اور مراد نماز لی گئی۔ فرمان ہے ﴿وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ (الاسراء / ۷۸) الخ یعنی صبح کے قرآن پر فرشتے حاضر کیے جاتے ہیں۔ [2] یہاں مراد قرآن سے نماز ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ [3] ان آیات واحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قراۃ کا پڑھنا ضروری ہے اور علماء کا بھی اسی پر اتفاق ہے۔

دوم: اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہی ضروری ہے؟ یا قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے وہی کافی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی وغیرہ تو کہتے ہیں کہ اسی کا پڑھنا متعین نہیں۔ بلکہ قرآن میں سے جو کچھ پڑھ لے گا کافی ہوگا ان کی دلیل آیت ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ سورۃ المزمل ہے یعنی قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھ لو اور صحیحین کی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو نماز جلدی جلدی پڑھ رہا تھا فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو تکبیر کہہ پھر جو قرآن میں سے تجھے آسان نظر آئے پڑھ [4] وہ کہتے ہیں کہ حضور کا اس شخص کو یہ فرمانا اور سورۂ فاتحہ کی تعیین نہ کرنا بتا رہا ہے۔ جو کچھ قرآن سے پڑھ لے کافی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ ہی کا پڑھنا ضروری ہے۔ اور اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ان کے علاوہ اور سب ائمہ کرام کا یہی قول ہے امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ان کے سب شاگرد رحمہم اللہ وغیرہ اور جمہور علماء کرام رحمہ اللہ کا یہی فرمان ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ ان پر درود و رحمت بھیجے بیان فرمائی ہے کہ جو شخص نماز پڑھے خواہ کوئی نماز ہو اور اس میں ام القرآن نہ پڑھے وہ نماز

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ولا تجہر بصلاتك ولا تخافت بہا (۴۷۲۲) صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ باب التوسط فی القراءۃ فی الصلوۃ الجہریۃ (۴۴۶)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ (۶۴۸) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب فضل صلاۃ الجماعۃ (۶۴۹)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الأذان (۶۴۹) صحیح مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ: باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما (۶۳۲)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاذان: باب وجوب القراءۃ للامام والماموم (۷۵۷) صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ: باب وجوب القراءۃ فی کل رکعۃ (۳۹۷) ابو داؤد (۸۵۶)]

مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے۔ [2] صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان، میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ نماز نہیں ہوتی جس میں ام القرآن نہ پڑھی جائے [3] ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ ہمیں یہاں پر مناظرانہ پہلو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ بہت لمبی بحثیں ہیں۔ ہم نے تو مختصراً ان بزرگوں کی دلیلیں بیان کر دیں (صحیح اور مطابق حدیث دوسرا قول ہی ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

اب یہ بھی سن لیجئے کہ امام شافعی وغیرہ علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا تو یہ مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ کا ہر ہر رکعت میں پڑھنا واجب ہے اور لوگ کہتے ہیں اکثر رکعتوں میں پڑھنا واجب ہے۔ حسن رحمہ اللہ اور اکثر بصرہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نمازوں میں سے کسی ایک رکعت میں اس کا پڑھ لینا واجب ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں نماز کا ذکر مطلق ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ان کے ساتھی امام ثوری رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی پڑھ لے تو کافی ہے کیونکہ قرآن میں ﴿مَا تَيَسَّرَ﴾ کا لفظ ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے کہ جو شخص فرض وغیرہ نماز کی ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ [4] البتہ اس حدیث کی صحت میں نظر ہے۔ اور ان سب باتوں کی تفصیل کا موقعہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ (صحیح اور مطابق حدیث پہلا قول ہے واللہ اعلم۔ مترجم)

سوم: مقتدی پر سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کے مسئلہ میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جس طرح امام پر واجب ہے اسی طرح مقتدی پر بھی واجب ہے اس کی دلیل وہ عام حدیثیں ہیں جو ابھی دوسرے فائدے کے بیان میں گزر چکیں۔ دوسرا یہ کہ سرے سے مقتدی کے ذمہ قراۃ واجب ہی نہیں۔ نہ یہ سورت نہ کچھ اور نہ جہری نماز میں نہ سری نماز میں۔ ان کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ : باب وجوب قراۃ فاتحہ فی کل رکعۃ (۳۹۵)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب وجوب القراءۃ للامام والماموم (۷۵۶) صحیح مسلم: کتاب الصلوۃ : باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ (۳۹٤) نسائی : کتاب الافتتاح : باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ (۹۱۷ ، ۹۰۹) ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلوۃ : باب القراءۃ خلف الامام (۸۳۷) ابو داؤد: کتاب الصلوۃ : باب من ترك القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب (۸۲۲) ترمذی: کتاب الصلوۃ : باب ما جآء انہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (۲٤۷)]

[3] [صحیح : صحیح ابن حبان (۱۷۸۹) مسند احمد (۴۵۷/۲) صحیح ابن خزیمہ (٤۹۰)]

[4] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلوۃ : باب القراءۃ خلف الامام (۸۳۹) ابوداود (۸۱۸)] حافظ بوصیریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے، اس میں ابو سفیان سعدی طرف بن شہاب ہے جس کے متعلق امام ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے ضعف پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ [الزوائد (۲۹۱/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

قول سے مروی ہے گو اس مرفوع حدیث کی اور سندیں بھی ہیں لیکن کوئی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جن نمازوں میں امام آہستگی سے قراۃ پڑھے ان میں تو مقتدی پر قراۃ واجب ہے۔ لیکن جن نمازوں میں اونچی قراۃ پڑھی جاتی ہے ان میں واجب نہیں۔ ان کی دلیل صحیح مسلم والی حدیث ہے جس میں ہے کہ امام اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اس کی تکبیر سن کر تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے تم چپ رہو۔ (۲) سنن میں بھی یہ حدیث ہے امام مسلم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا پہلا قول بھی یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔ (صحیح اور مطابق حدیث اول قول ہے ابوداود، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو فرمایا کہ تم سوائے سورۂ فاتحہ کے اور کچھ نہ پڑھو۔ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (۳) مترجم) ہماری غرض ان مسائل کو یہاں پر بیان کرنے سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ احکام کا جس قدر تعلق ہے کسی اور سورت کے ساتھ نہیں۔ مسند بزار میں حدیث ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جب تم بستر پر لیٹو اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن میں آ جاؤ گے۔ (۴)

---

(۱) [ضعیف : ابن ماجه : كتاب اقامة الصلاة : باب اذا قرا الامام فانصتوا (۸۵۰) مسند احمد (۳۳۹/۳) سنن دارقطنی (۳۲۳/۱) بیهقی (۱۶۰/۲)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس روایت کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔ [التلخيص الحبير (۴۲۰/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں جابر جعفی راوی ضعیف رافضی ہے۔ تاہم شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ ارواء الغليل (۸۵۰)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۲) [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الصلوة : باب التشهد في الصلوة (۴۰۴) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلوة: باب اذا قرأ الامام فانصتوا (۸۴۶) ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب الامام يصلي من قعود (۶۰۴) نسائي : كتاب الافتتاح : باب تاويل قوله عزوجل واذا قرىء القرآن (۹۴۴)]

(۳) [صحيح بالشواهد : ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب من ترك القرآة في صلوته بفاتحة الكتاب (۸۲۴) نسائي : كتاب الافتتاح : باب قراءة ام القرآن خلف الامام فيما جهر به الامام (۹۱۹) امام ابوداودؒ نے فرمایا ہے کہ یہ زیادتی ﴿ واذا قرأ فأنصتوا ﴾ محفوظ نہیں۔ مزید دیکھئے: ارواء الغليل للشيخ الالباني (۱۲۱/۲) السلسلة الضعيفة (تحت الحديث / ۶۰۰۷) ضعيف ابوداود (۶۰۵)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۴) [ضعیف : البزار في كشف الاستار (۳۱۰۹) الهيثمي في مجمع الزوائد (۱۲۰/۱۰)، (۱۷۰۳۰)] اس کی سند میں غسان بن عبید راوی ہے جس کے متعلق امام ابن عدیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی احادیث پر ضعف واضح ہے۔ امام احمدؒ، امام ابن معینؒ اور امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ [دیکھئے: میزان الاعتدال (۳۳۴/۳) السلسلة الضعيفة (۵۰۶۲) ضعيف الجامع الصغير (۷۲۲) ضعيف الترغيب والترهيب (۳۴۷)]

أعوذ باللہ کی تفسیر اور اس کے احکام

قرآن پاک میں ہے: ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ (الاعراف/ ۱۹۹) الخ یعنی درگزر کرنے کی عادت رکھو بھلائی کا حکم کیا کرو اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو۔ اور جگہ فرمایا: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ (المومنون:۹۶) الخ برائی کو بھلائی سے ٹال دو ہم ان کے بیانات کو خوب جانتے ہیں کہا کرو کہ الٰہی شیطان کے وسوسوں اور ان کی حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ......﴾ (حم سجدہ ۳۷) الخ یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہو گی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔ یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب والوں کا ہے۔ جب شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے کے ذریعہ پناہ چاہو۔ یہ تین آیتیں ہیں اور اس معنی کی کوئی اور آیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے۔ اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک و احسان کرو۔ تا کہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے۔ اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے اپنے ذریعہ پناہ لینی سکھائی۔ کیونکہ یہ پلید دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا۔ اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی میں ہی مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت باوا آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے اے بنی آدم دیکھو کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا نہ دے۔ جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنی جماعت کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جائیں اور جگہ فرمایا کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریات سے دوستی کرتے ہو مجھے چھوڑ کر؟ وہ تو تمہارا دشمن ہے۔ یاد رکھو ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے یہی ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجیے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہو گا؟ ہمارے لیے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے کہ: اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔ [1] اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ﴾ (النحل/ ۹۸) جب قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ طلب کر لیا کرو۔ شیطان راندھے ہوئے سے۔ ایمان دار، توکل والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو اللہ کے ساتھ شریک کریں۔

قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے کہ قرآن پڑھ چکنے کے بعد "اَعُوْذُ" پڑھنی چاہیے۔ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز بیان پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ۔ ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ نے اور ابن فلوفا نے حمزہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العبادۃ الکامل میں بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن اسناد غریب ہے رازی نے اپنی تفسیر

---

[1] [سورة ص: آیت ۸۴۔۸۳]

مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے لیکن ابن العربی رحمہ اللہ اسے غریب کہتے ہیں ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول وآخر دونوں مرتبہ "اَعُوْذُ" پڑھے تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے "اَعُوْذُ" پڑھنا چاہیے تاکہ وسوسے دور ہو جائیں تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی "جب پڑھے" تو یعنی "جب پڑھنا چاہے تو" ہو جائیں گے جیسے کہ آیت ﴿اِذَا قُمْتُمْ﴾ (المائدہ/٦) الخ یعنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوؤ (تو وضو کر لیا کرو) کے معنی جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو کے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر ﴿سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ﴾ پڑھ کر تین مرتبہ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ پڑھتے۔ پھر فرماتے: ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ﴾ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ہمز کے معنی گلا گھوٹنے کے اور نفخ کے معنی تکبر اور نفث کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہی معنی بیان کیے گئے ہیں اور اس میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا﴾ تین مرتبہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا﴾ اور تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ پڑھتے پھر یہ پڑھتے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ﴾ [2] ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے۔ [3] مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ

---

[1] [صحیح بالشواهد : ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب من رائى الاستفتاح بسبحانك اللهم وبحمدك (٧٧٥) نسائي: كتاب الافتتاح : باب نوع آخر من الذكر بين افتتاح الصلوة وبين القراة (٩٠٠-٩٠١) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها : باب افتتاح الصلوة (٨٠٤) ترمذی : كتاب الصلوة : باب ما يقول عند افتتاح الصلوة (٢٤٢) مسند احمد (١١٤٨٩) شرح معانی الآثار (١٩٧/١) صحيح ابن خزيمة (٤٦٧) ابو يعلى فى مسنده (١١٠٨) المزی فی تهذيب الكمال (٧١/٢١) شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے صحیح کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [ضعفه الالبانی: شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (١٣٠) ضعيف ابن ماجه (١٧٣) ارواء الغليل (٥٤/٢)] مزید دیکھئے: ابو داؤد : كتاب الصلوة : باب ما يستفتح به الصلوة من الدعاء (٧٦٤) ابن ماجه: كتاب اقامة الصلوة : باب الاستعاذة فى الصلوة (٨٠٧) مسند احمد (٨٥/٤) صحيح ابن خزيمه (٤٦٨) صحيح ابن حبان (١٧٧٩) طبرانی كبير (١٥٦٨/٦)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے حسن کہا ہے۔]

[3] [صحيح : ابن ماجه : كتاب اقامة الصلوة : باب الاستعاذة فى الصلوة (٨٠٨)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه] مزید دیکھئے: مسند احمد (٣٨٣٠) ابن ابی شيبه (١٨٥/١٠) ابو يعلى (٤٩٩٤/٨) بيهقى (٢٦/٢) صحيح ابن خزيمة (٤٧٢)] مولانا مبشر احمد ربانی نے اسے صحیح کہا ہے۔]

لڑنے جھگڑنے لگے۔ غصہ کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے نسائی نے اپنی کتاب "عمل اليوم والليله" میں بھی اسے روایت کیا ہے [2] مسند احمد ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس کی ایک روایت میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ [3] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ زیادتی والی روایت مرسل ہے اس لیے کہ عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کرتے ہیں ان کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں بلکہ معاذ رضی اللہ عنہ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سنا ہو وہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور اسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ [4] استعاذہ کے متعلق اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں یہاں سب کو جمع کرنے سے طول ہوگا ان کے بیان کے لیے اذکار و وظائف کی اور فضائل و اعمال کے بیان کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لے کر حضور کے پاس آئے تو پہلے اعوذ پڑھنے کا کہا۔ تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آئے تو فرمایا ﴿اَعُوْذُ﴾ پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ کہیے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پھر کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ (العلق / 1) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلی سورت جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی معرفت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی یہی ہے۔ [5]

---

(1) [اسناده ضعیف: مسند احمد (5/253)، (22275)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یعلی بن عطاء کا شیخ اور شریک قاضی راوی مجہول ہے۔ امام ہیثمیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اس میں مجہول راوی ہے۔ [مجمع الزوائد (2/265)]

(2) [حسن: النسائی فی عمل اليوم والليلة (393) وفی السنن الكبرى (10223)]

(3) [ضعفه الالبانی: ضعيف الترغيب والترغيب (1646) ضعيف ابوداود (1024)] مزید دیکھئے: ابو داؤد: كتاب الادب: باب ما يقال عند الغضب (4780) ترمذی: كتاب الدعوات: باب ما يقول عند الغضب (3452) نسائی فی السنن الكبرى (10221) وابن السنی فی اليوم والليلة (454) الضياء فی المختارة (1237)]

(4) [صحيح: صحیح بخاری: كتاب بدء الخلق: باب صفة ابليس وجنوده (3282) صحیح مسلم: كتاب البر و الصلة: باب فضل من يملك نفسه عند الغضب (2610) ابو داؤد: كتاب الادب: باب ما يقال عندالغضب (4781)]

(5) [ضعيف: تفسير ابن جرير الطبری (137)] اس میں بشر بن عمارہ راوی ہے جسے امام ابوحاتمؒ نے غیر قوی، امام بخاریؒ نے منکر، امام نسائیؒ نے ضعیف، امام ابن حبانؒ نے کثیر الخطاء اور امام دارقطنیؒ نے متروک کہا ہے۔ نیز ضحاک اور ابن عباسؓ کے درمیان انقطاع بھی ہے۔]

معلوم رہے۔ واللہ اعلم۔

تعوذ پڑھنا واجب یا مستحب؟: مسئلہ: جمہور علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابورباح رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے۔ خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازی نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہوجاتا ہے حضرت عطاء رحمہ اللہ کے قول کی دلیل آیت کے ظاہری الفاظ ہیں کیونکہ اس میں "فَاسْتَعِذْ" امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر دوام کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے اور اس کا دور کرنا واجب ہے اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہوجاتی ہے اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے وجوب کا طریقہ یہ بھی ہے بعض علماء کا قول ہے کہ اعوذ پڑھنا حضور پر واجب تھا آپ کی امت پر واجب نہیں امام مالک رحمہ اللہ سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں۔ "اَعُوْذُ" نہ پڑھے اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں اعوذ پڑھ لے۔

تعوذ پڑھنے کا وقت اور مقام: مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ الاملاء میں لکھتے ہیں کہ اعوذ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں اور ام میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوشیدہ پڑھنا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ پہلی رکعت کے سوا اور رکعتوں میں اعوذ پڑھنے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک مستحب ہونے کا اور دوسرا مستحب نہ ہونے کا اور ترجیح دوسرے قول کو ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کہہ لینا امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو کافی ہے لیکن بعض کہتے ہیں۔ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" پڑھے ثوری رحمہ اللہ اور اوزاعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے بعض کہتے ہیں "اَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" پڑھے تاکہ آیت کے پورے الفاظ پر عمل ہوجائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل ہوجائے جو پہلے گذر چکی۔ لیکن جو صحیح حدیثیں پہلے گذر چکیں وہی اتباع میں اولیٰ ہیں۔ واللہ اعلم۔ نماز میں اعوذ کا پڑھنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو تلاوت کے لیے ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے لیے ہے۔ تو مقتدی کو بھی پڑھ لینا چاہیے اگر چہ وہ قرات نہیں پڑھے گا اور عید کی نماز میں بھی پہلی تکبیر کے بعد پڑھ لینا چاہیے جمہور کا مذہب ہے کہ عید کی تکبیریں کل کہہ کر پھر اعوذ پڑھے پھر قرات پڑھے۔ اعوذ میں عجیب وغریب فوائد ہیں۔ واہی تباہی باتوں سے منہ میں جو ناپاکی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہوجاتی ہے اور منہ کلام اللہ کی تلاوت کے قابل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اس میں اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے اور اس کی عظیم الشان قدرتوں کا اقرار کرنا ہے اور اس باطنی کھلے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار ہے کیونکہ انسانی دشمن کا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ احسان اور سلوک سے اس کی دشمنی دفع ہوسکتی ہے جیسے کہ قرآن پاک کی

﴿سُلْطَانٌ﴾ (1) الخ یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں رب کی وکالت (ذمہ داری) کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں اپنے پاک فرشتے بھیجے اور انہیں نیچا دکھایا۔ یہ یاد رکھنے کے قابل امر ہے کہ جو مسلمان کافروں کے ہاتھ سے مارا جائے وہ شہید ہے لیکن جو اس باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے وہ راندہ درگاہ ہے جس پر کفار غالب آجائیں وہ اجر پاتا ہے لیکن جس پر شیطان غالب آجائے وہ ہلاک و برباد ہوتا ہے چونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اسے نہیں دیکھ سکتا اس لیے قرآنی تعلیم ہوئی کہ تم اس کے شر سے اس اللہ کی یاد کے ذریعہ پناہ چاہو جو اسے دیکھتا ہے اور یہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔

فصل: اعوذ پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے ''عیاذہ'' کے معنی برائی کے دفع کرنے کے ہیں اور ''لیاذہ'' کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں متنبّی کا شعر ہے

يَا مَنْ أَلُوذُ بِهِ فِي مَا أُؤَمِّلُهُ ۔۔۔ وَمَنْ أَعُوذُ بِهِ مِمَّنْ أُحَاذِرُهُ
لَا يَجْبُرُ النَّاسُ عَظْمًا أَنْتَ كَاسِرُهُ ۔۔۔ وَلَا يَهِيضُونَ عَظْمًا أَنْتَ جَابِرُهُ

اے وہ پاک ذات جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اے وہ پروردگار کہ تمام برائیوں سے میں اس کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔

اعوذ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے ایسا نہ ہو کہ میں اس سے رک جاؤں اور جن کاموں سے مجھ کو منع کیا گیا ہے ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بد افعال سرزد ہو جائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں اسی لیے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتائی ہے اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اس لیے کہ نہ تو اسے رشوت دی جا سکے نہ وہ بھلائی اور سلوک کے ذریعہ اپنی شرارت سے باز آئے اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تینوں پہلی آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے ﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ (2) الخ اور سورۂ ''مومنون'' میں ہے ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ﴾ (3) الخ اور سورۂ حم سجدہ میں ہے ﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ﴾ (4) الخ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ شیطان شَطَنَ سے بنا ہے اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے اس لیے اسے شیطان کہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شَاطَ سے مشتق ہے اس لیے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے اور شَاطَ کے معنی یہی ہیں بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شاعروں کے شعر بھی اس کی تصدیق میں کہے گئے ہیں امیہ بن

---

(1) [سورة بنی اسرائیل: آیت ٦٥]
(2) [سورہ الاعراف: آیت ١٩٩]
(3) [سورة المومنون: آیت ٩٧-٩٨]
(4) [سورہ فصلت: آیت ٣٤-٣٦]

ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں "تَشَیْطَنَ فُلَانٌ" یہ نہیں کہتے کہ "تَشَیَّطَ فُلَانٌ" اس سے ثابت ہوتا ہے یہ لفظ شَاطَ سے نہیں بلکہ شَطَنَ سے ماخوذ ہے' اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہیں جو جن وانس وحیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ [1] الخ یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیاطین جن وانس کیے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے کی بناوٹی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اے ابوذر جنات اور انسان کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو میں نے کہا کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں [2] صحیح مسلم شریف میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کو عورت' گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے میں نے کہا حضور سرخ۔ زرد کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے۔ [3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ ناز وخرام سے چلتا ہے حضرت عمر اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لیے کسی شیطان کو پکڑ لائے میرے نفس میں تکبر آنے لگا۔ چنانچہ میں نے اس سے اتر پڑنا ہی مناسب سمجھا۔ [4] رجیم فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی وہ مرجوم ہے یعنی ہر بھلائی سے دور ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ﴾ (الملک/٥) الخ ہم نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لیے رجم بنایا ﴿اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ (الصافات/٦) الخ یعنی ہم نے آسمان دنیا کو تاروں سے زینت دی اور ہر سرکش شیطان سے بچاؤ بنایا۔ وہ اعلیٰ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے' اور بھگانے کے لیے ہر طرف سے مارے جاتے ہیں' اور ان کے لیے تو لازمی عذاب ہے جو ان کے لیے ہے' جو ان میں سے کوئی بات اچک کر بھاگتا ہے اس کے پیچھے ایک چمکیلا شعلہ لگ جاتا

---

[1] [سورة الانعام: آیت ١١٢]

[2] [ضعف الالبانی اسناده: ضعیف نسائی (٤٢٤)] مزید دیکھئے: بزار فی کشف الاستار (١٦٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٧٧٤، ١٣٧٧٥، ١٣٧٧٣) مسند احمد (٥/١٧٨، ١٧٩) نسائی: کتاب الاستاذة: باب الاستعاذة من شر شیاطین الانس (٥٥٠٩) بیهقی فی شعب الایمان (٣٥٧٦)] اس کی سند میں ابوعمر دمشقی اور عبید بن خشخاش راوی ضعیف ہیں۔]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الصلوة: باب قدر ما یستر المصلی (٥١٠) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلوة: باب ما یقطع الصلوة (٩٥٢) ترمذی: کتاب الصلوة: باب ما جآء انه لا یقطع الصلوة (٣٣٨) ابو داؤد: کتاب الصلوة باب ما یقطع الصلوة ومالا یقطعها (٧٠٢) نسائی: کتاب القبلة: باب ذکر ما یقطع الصلاة ومالا یقطع (٧٥١) صحیح ابن حبان (٢٣٨٥)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (١/١١١)]